اسلام میں نفع بخش کاروبار کا تصوّر

مرابحاتی کاروبار کی شرعی حیثیت

مقالہ نگار: پروفیسر مولانا مفتی عبدالوہاب (ایم فل۔ علوم اسلامیہ)
شعبہ اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج بٹگرام

نمبرشمار	ذیلی عنوانات	نمبرشمار	ذیلی عنوانات
1	مرابحلہ مؤجلہ کی صورت	6	مرابحہ مؤجلہ اور قبض بیع
2	بیع عینہ سے استناد	7	وکیل بالشراء کی بیع اور قبض بیع
3	مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع عینہ	8	بائی بیگ کا مفہوم
4	ادھار بیع میں ثمن کی زیادتی	9	فرضی کارروائی
5	ادھار اور نقد قیمت میں تردید نہ ہو بلکہ تعین ہو	10	آخری گذارش

پروفیسر حضرت مولانا مفتی عبدالوھاب صاحب ایک جید محقق اور معروف سکالر ہیں موصوف شعبہ اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج بٹگرام کا پروفیسر اور سینئر استاد ہیں جامعۃ المرکز الاسلامی کے زیراہتمام منعقدہ اسلام آباد فقہی سیمنار بعنوان ''اسلام کا مالیاتی نظام'' کے حوالے سے موصوف کو ''مرابحاتی کاروبار کی شرعی حیثیت'' کو واضح کرنے پر مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی چنانچہ فاضل مقالہ نگار نے متعلقہ موضوع پر جامع تحقیق تیار کر کے سیمنار میں پیش کی۔ افادہ عام کے پیش نظر موصوف کا مقالہ من وعن نذر قارئین ہیں۔ (ادارہ)

موجودہ سودی نظام بینکاری کے متبادل اور سود سے پاک اسلامی بینکاری نظام پر کئی پہلوؤں سے محققین فقہاء کرام اور علماء اسلام نے بحث وتحقیق کر کے ایک ایسا نظام عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق وضع کیا ہے جس کے اختیار کرنے سے کاروباری ضروریات پورے اور تمویل (Financing) کے فوائد سود کے بغیر باحسن وجوہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ ان وجوہ اور طرق میں سے ایک طریقہ "مرابحہ مؤجلہ" کا بھی ہے جو کہ آج کی بحث کا موضوع ہے۔

مرابحہ مؤجلہ کی صورت:۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جب اسلامی بینک کے پاس کوئی شخص یا ادارہ قرض لینے کے لئے آتا ہے تو بینک قرض حسنہ دینے کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس جتنی رقومات ہیں وہ لوگوں کی امانتیں ہیں اور قرض پر سود اس لئے نہیں لے سکتا ہے کہ اسلام میں اس

کی حرمت مصرح ہے۔اس لئے اسلامی بینک اس گاہک سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں قرض لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے، مثلاً وہ گاہک جو کارخانہ دار ہے مشینری خریدنے کے لئے قرض لینا چاہتا ہے تو اسلامی بینک اس کو کہہ دیتا ہے کہ تمہاری مطلوبہ مشینری ہم خرید لیں گے اور ہم آپ سے متعین نفع (Mark up) لیں گے۔اسلامی بینک مارکیٹ سے وہ مشینری خرید لیتا ہے اور پھر اپنی ادا کردہ قیمت ،ضروری اخراجات اور نفع کو ملا کر گاہک کو فروخت کردیتا ہے۔گاہک اس کی طے کردہ یہی قیمت ایک خاص مدت مثلاً دو سال یا چار سال بعد یک مشت یا اتنی مدت میں بالاقساط ادا کرے گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے بلاسود بینکاری کے لئے جو متبادل طریقے اسلامی شریعت سے اخذ کئے ہیں۔ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے۔جس کو شریعت کے مطابق قرار دیا گیا ہے۔اور اس کی افادیت یوں بتائی ہے۔یہ طریقہ صنعتی اور زرعی شعبوں کے علاوہ اندرونی اور بیرونی تجارت میں سرمائے کی فوری ضروریات کی تکمیل کے لیے بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔(1)

بیع عینہ سے استناد:

اس طریقے کے جواز کے لئے بیع عینہ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔اور بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً کسی تاجر سے دس روپے قرض مانگا۔اس نے قرض دینے کے بجائے اپنا دس روپے کا کپڑا بطور مرابحہ پندرہ روپے میں اس کے ہاتھ ادھار بیچ دیا تاکہ یہ بازار میں اسے بیچ کر دس روپے حاصل کرنے اسی طرح اسے دس روپے مل گئے اور تاجر نے ادھار کی وجہ سے پانچ روپے کا نفع سود کی آلودگی کے بغیر اس سے حاصل کرلیا۔جس کی ادائیگی میعاد پوری ہونے کے وقت خریدار پر واجب ہوگی۔(2)

امام محمد سے بیع عینہ کی حرمت نقل کی گئی ہے۔اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اذا تبایعتم بالعینة واتبعتم اذناب البقر ذللتم و ظھر علیکم عدو کم. (3)

جب تم عینہ کے طور پر خرید وفروخت کرنے لگو اور گائے بیل کی دم کے پیچھے چلنے لگو تو تم ذلیل ہو جائے گے۔اور تمہارے اوپر تمہارا دشمن غالب آجائیگا۔

لیکن فقہاء کرام نے اس مذموم بیع عینہ کی تفسیر یوں کی ہے۔کہ ایک شخص کسی سے قرض مانگے وہ اس کو دس روپے کا کپڑا مثلاً پندرہ روپے میں مرابحۃً ادھار بیچے پھر مشتری اس کپڑے کو دس کے تیسرے شخص کو بیچے پھر اس تیسرے شخص سے پہلا بائع وہی کپڑا دس کے واپس خریدے۔اس صورت میں چونکہ **شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن** کا محذور لازم آتا ہے۔اس لئے یہ ناجائز ہے۔(۴)

البتہ پہلی صورت بعض فقہاء کرام کے نزدیک جائز مع الکراہت ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔چنانچہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔

" لایکرہ ھذا البیع لانہ فعلہ کثیر من الصحابة وحمد وا علی ذلک ولم یعد وہ من الربا (۵)

یہ بیع مکروہ نہیں ہے۔اس لئے کہ اس کو بہت سارے صحابہ کرامؓ نے کیا ہے۔اور اس کی تعریف بھی کی ہے۔اور اس کو ربا میں شمار نہیں کیا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع عینہ :۔

درحقیقت ''بیع عینہ'' کی کئی شکلیں ہیں ۔ کیونکہ جب بھی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو نقد رقم دینے کے بجائے کوئی عین دے گا۔ تو اسے ''عینہ'' کہا جائے گا۔ لیکن اس کی ہر شکل حرام نہیں ۔ چنانچہ ابن رشد مالکی فرماتے ہیں ۔

والعينة على ثلاثة اوجه . جائزة و مكروهة ومحظورة (٦)

عینہ کی تین قسمیں ہیں جائز، مکروہ اور ناجائز۔ پھر انہوں نے اس کی چھ شکلیں بیان فرما کر بعض کو جائز اور بعض کو ناجائز لکھا ہے۔ اور زیر بحث شکل کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ الخرشی مالکیؒ سے بھی اس کا جواز منقول ہے۔(٧)

ابن قدامہ نے بھی امام احمد بن حنبلؒ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔(٨)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ان احادیث پر بحث کرتے ہوئے کہ جن میں بیع عینہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں۔

" و محمل هذه الأ خبار ان يكون الشراء باقل مما با ع قبل نقد الثمن اويكون البيع الثانى شرطاً للبيع الاوّل" (٩)

ان احادیث کو اس پر محمول کیا گیا ہے جہاں بائع ثمن کی وصولی سے پہلے وہی چیز پہلے ثمن سے کم پر خریدے اور یا یہ کہ دوسری بیع شرط کر دی گئی ہو پہلی بیع کے لئے۔

ادھار بیع میں ثمن کی زیادتی:

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز بھی ہے؟ اس مسئلے پر قدیم اور جدید فقہاء نے بحث کی ہے۔ چنانچہ بعض علماء کرام اس زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ثمن کی زیادتی مدت کے عوض میں ہے۔ اور جو ثمن ''مدت'' کے عوض دیا جائے وہ سود ہے یا سود کے مشابہ (١٠)

صاحب ہدایہ ایک مسئلے کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اجل (مدت) کے بدلے کچھ دینا حرام ہے۔(١١)

اسی طرح قاضی خان نے لکھا ہے۔ اگر کسی آدمی نے دوسرے پر ایک ہزار درہم کھوٹے کا دعویٰ کیا اور اس نے انکار کرنے کے بعد ایک ہزار درہم رائجہ پر اجل (مدت) تک صلح کر لی تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ

" المدعى عليه التزمه زياده الجودة بمقابلة الأ جل فلا يجوز" (١٢)

مدعیٰ علیہ نے جودت کی زیادتی کا التزام مدت کے مقابلے میں کیا ہے۔ اس لئے یہ جائز نہیں۔

لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ مطلقاً مدت کے عوض کچھ دینا جائز نہیں ٹھیک معلوم نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر تبعاً مدت کے بدلے کچھ کمی یا زیادتی ہو رہی ہے تو یہ صورت جائز ہے۔ ''صاحب'' ہدایہ لکھتے ہیں۔

اگر کسی نے ایک غلام ایک ہزار کے بدلے ادھار خریدا اور سو روپے کے نفع کے ساتھ اس کو مرابحۃً بیچا اور مشتری ثانی کو اپنے ادھار خریدنے

سے آگاہ کیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے اس کو رد کردے یا قبول کردے۔

" لان للاجل شبها با لمبیع الایری انه یزاد فی الثمن لاجل الأجل" (۱۳)

اس لئے کہ اجل (مدت) کی مبیع سے مشابہت ہے کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کی جاتی ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

" ثم الانسان فی العادة یشتری الشی بالنسیئة باکثر مما یشتری بالنقد " (۱۴)

انسان عادتاً کوئی چیز نقد کی نسبت ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت دے کر خریدتا ہے۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی ''مسئلہ سود'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جن حضرات کو فقہ سے کچھ بھی مناسبت ہوگی ان کو اس فرق کے سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کی نظیریں بے شمار ہیں کہ بعض اوقات بعض چیزوں کو معاوضہ لینا براہ راست جائز نہیں ہوتا اور کسی دوسرے سامان کے ضمن میں جائز ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ ہر مکان دوکان اور زمین کی قیمت میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے۔ ایک محلہ میں ایک مکان دس ہزار روپے کا ہے تو وسط شہر میں بالکل اسی طرح کا اور اتنے ہی رقبہ کا مکان ایک لاکھ میں بھی سستا سمجھا جاتا ہے۔ یہ قیمت کی زیادتی ظاہر ہے۔ کہ مکان کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کی خاص کیفیت اور محل وقوع کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اس خاص کیفیت اور محل وقوع کے براہ راست بغیر مکان کے فروخت کے قیمت نہیں وصول کی جا سکتی ہے۔ (۱۵)

ہمارے زیر بحث مسئلہ میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر ادھار کی وجہ سے سامان کی قیمت میں زیادتی کو تسلیم کیا جائے تو اس کی نوعیت وہی ہے کہ ضمنی طور پر مدت کی رعایت سے سامان کی قیمت بڑھ گئی اور براہ راست صرف مدت کا معاوضہ لیا جائے تو وہ ربا میں داخل ہو کرنا جائز ہوگا۔

ادھار اور نقد قیمت میں تردید نہ ہو بلکہ تعین ہو:

لیکن اس صورت میں شرط یہ ہے کہ متعاقدین مجلس عقد میں برخاستی سے پہلے ادھار یا نقد لینے پر معاملہ اختتام کو پہنچائیں اور بائع یوں نہ کہے کہ اگر نقد ہو تو قیمت مثلاً 100 ہے اور ادھار ہو تو 120 ہے بلکہ کسی ایک صورت پر عقد کو مکمل کر کے الگ ہو جائیں۔ اگر مجلس عقد میں تعین نہیں تو بیع جائز نہ ہوگی۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

رجل باع علی انه باالنقد بکذا و بالنسیئة بکذا اوالی شهر بکذا والی شهرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصة (۱۶)

ایک آدمی نے یوں بیچا کہ یہ چیز نقد پر اتنی کی ہے اور ادھار پر اتنے کی یا ایک ماہ کی مدت تک اتنی کی ہے اور دو ماہ کی مدت تک اتنی کی ہے۔ تو یہ جائز ہے۔

امام ترمذی حضرت ابی ہریرہؓ کی حدیث '' نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم من بیعتین فی بیعة'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" و قد فسر بعض اهل العلم، قالوا بيعتين فی بیعة ان يقول ابيع هذا الثوب بنقد بعشرة و بنسيئة بعشرين و لا يفارقه احد البيعين فان فارقه علي احد هما فلا بأس اذا كانت العقدة على احد منهما" (١٧)

بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ تشریح بیان کی ہے کہ " بیعتین فی بیعة" سے مراد یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں یہ کپڑا تم کو نقد دس درہم میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس درہم میں۔ اور پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کر کے جدائی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی تو اس میں حرج نہیں کیونکہ معاملہ ایک پر طے ہوگیا ہے امام ترمذیؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بیع کے ناجائز ہونے کی علت یہ ہے۔ کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کے عدم تعین سے ثمن دو حالتوں میں متردد ہو جائے گا اور یہ تردد جہالت ثمن کو مستلزم ہے۔ جس کی بناء پر یہ بیع ناجائز ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ حدیث پر امام شافعیؒ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

له تاويلان احد هما ان يقول بعتک بالفين نسيئة و بالف نقد افايهما شئت اخذت به و هذا بيع فاسد لانه ابهام و تعليق (١٨)

اس کے دو معانی ہیں پہلا یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں تمہیں ادھار کی صورت میں دو ہزار کی بیچتا ہوں اور نقد کی صورت میں ایک ہزار کی۔ تمہارا جی جس کو چاہے اختیار کر لو یہ بیع صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں ابہام اور تعلیق ہے۔ پس ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ادھار کی صورت میں قیمت زیادہ لینا بنسبت نقد کے جائز ہے۔

مرابحۂ مؤجلہ اور قبض مبیع :

یہاں تک تو مسئلہ تھا مرابحہ مؤجلہ کے شرعی جواز کا۔ لیکن موجودہ اسلامی بنکاری نظام میں اس کے طریقہ کار اور رواج پر جب غور کیا جاتا ہے۔ تو اس میں اس کی بعض ضروری شرائط کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ خالص سودی کاروبار بن جاتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک غیر مقبوض کی بیع بھی ہے۔

اس لئے کہ مرابحہ مؤجلہ کے اس معاملے میں اکثر اسلامی بنک جس چیز کی بیع کرتے ہیں وہ ان کے پاس خود تو موجود نہیں بلکہ وہ اپنے گاہک کیلئے مارکیٹ سے خرید لیتا ہے۔ اور پھر اپنے گاہک کو دیتا ہے۔ جب کہ بنک خریدار کی حیثیت سے اس چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے۔ اور یہ صورت غیر مقبوض کی بیع کی بنتی ہے۔ جو کہ از روئے شریعت جائز نہیں چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه ، جس نے گیہوں خریدی تو وہ اس کو نہ بیچے تا آنکہ اس کو قبضہ کر لے۔ اس مضمون کی دیگر حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی کتاب البیوع میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض کے بارے میں ائمہ اربعہؒ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک استقرار قبضہ سے قبل بیع درست نہیں خواہ مبیعہ اشیاء منقولہ میں سے ہو یا اشیاء غیر منقولہ میں سے ہو۔ احناف میں سے امام محمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

چنانچہ امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

"فمن ابتاع شیئا کائناً ما کان فلیس له ان یبیعه حتی یقبضه" (۲۰)

اگر کسی نے کوئی چیز خریدی چاہے منقولی ہو یا غیر منقولی تو اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کو بیچے تا آنکہ اس پر قبضہ کرے۔

حنابلہ کے نزدیک مکیلی وموزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں اور ان کے علاوہ میں جائز ہے۔(۲۱)

مالکیہ کے نزدیک صرف طعام واناج کی بیع قبل القبض جائز نہیں اس کے علاوہ میں جائز ہے۔(۲۲)

مالکیہ کی دلیل عبداللہ بن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں صرف طعام کا ذکر ہے چنانچہ وہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں۔ اور طعام کے علاوہ دیگر اشیاء چاہے منقولی ہوں یا غیر منقولی میں بیع قبل القبض کو جائز کہتے ہیں۔

احناف کے نزدیک منقولی اشیاء اور غیر منقولی اشیاء کے درمیان بیع قبل القبض کے بارے میں امتیاز ہے۔ ان کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں اور غیر منقولات جائیداد وزمین وغیرہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے۔

"وبیع المنقول قبل القبض لایجوز بلا خلاف بین اصحابنا"(۲۳)

منقولات کی بیع قبل القبض جائز نہیں اس بارے میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مالکیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خود اس کو عام لیا ہے اور اس کو صرف طعام کے ساتھ خاص نہیں مانا ہے۔ چنانچہ مسلم کی روایت ہے۔ **"قال ابن عباسؓ واحسب کل شئی بمنزلة الطعام" (۲۴)**

ابن عباسؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ ہر چیز طعام ہی طرح ہے۔

نیز عبداللہ بن عمرو کی روایت میں طعام کی تخصیص نہیں بلکہ ہر چیز کی بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ نسائی نے روایت نقل کی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ کو جو مکتوب بھیجا تھا وہ اس طرح تھا۔

"لا یجوز شرطان فی بیع واحد ولا بیع وسلف جمیعاً ولا بیع ما لم یضمن" (۲۵)

ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں اور نہ بیع وسلف (سلم) دونوں بیک وقت جائز ہیں۔ اور اس چیز کی بیع درست نہیں جو ضمان میں نہ آئی ہو۔ اس حدیث کی تشریح امام محمدؒ نے یوں فرمائی ہے کہ۔۔۔ رہا یہ معاملہ کہ جو چیز اس کے ضمان میں نہ ہو اس کو نہ بیچے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ **"فالرجل یشتری الشئی فیبیعه قبل ان یقبضه بربح فلیس ینبغی له ذلک لا ینبغی له ان یبیع شیئاً اشتراه حتی یقبضه" (۲۶)**

آدمی کوئی چیز خریدے اور اس کو قبضہ کئے بغیر نفع پر بیچے یہ اس کے لئے جائز نہیں اور اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ وہ خریدی ہوئی چیز بیچے تا آنکہ اس پر قبضہ کرلے۔

اور دوسری وجہ عقلی ہے کہ بغیر قبضہ کے کسی چیز کو فروخت کرنے میں اس چیز کو حوالگی سے قبل ضائع ہوجانے کی وجہ سے بیع فسخ ہونے کا

اندیشہ رہتا ہے۔اسی بناء پر اسے ''بیع غرر'' بھی کہا جاتا ہے۔یعنی ایسی بیع کہ جس کی تکمیل میں کسی قسم کا خطرہ موجود ہو۔
مگر اس عام قاعدے سے امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ نے غیر منقولی اشیاء یعنی مکان اور زمین وغیرہ کا استثناء کیا ہے۔کیونکہ غیر منقولات میں اتلاف شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔
لیکن امام محمدؒ کے نزدیک دیگر احادیث کے الفاظ چونکہ عام ہیں۔اس لئے ان کا حکم بھی عام ہے اور یہ دلیل حدیث کے لحاظ سے قوی معلوم ہوتی ہے۔امام شافعیؒ بھی اس کے قائل ہیں۔اور ایک قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۲۷)
ان تفصیلات سے یہ بات سامنے آئی کہ اگر اسلامی بینک نے ابھی تک مرابحہ مؤجلہ میں مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے۔البتہ اس کو خریدا ہے تو چونکہ اس میں بنک کی ملکیت تو ثابت ہے اور قبضہ ثابت نہیں ہے۔وہ اس کو اپنے گاہک کو تب بیچ سکے گا جبکہ خود اس پر قبضہ کرلے۔قبضہ سے قبل اس کو بیچنے میں غیر مقبوض کی بیع کا محذور لازم آتا ہے۔اس لئے یہ جائز نہ ہوگا۔
البتہ غیر مقبوض کی بیع میں امام مالکؒ طعام کے علاوہ میں جواز کے قائل ہیں۔تو ضرورت داعیہ اور حاجت قاضیہ کے وقت ان کے مذہب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔جب کہ یہ یقین دہانی موجود ہو کہ اس طور سے سٹہ کا رواج نہ ہوگا۔لیکن موجودہ دور میں بڑے بڑے کاروباری ادارے محض ٹیلیفون کے ذریعے خرید و فروخت کرتے ہیں۔اور ایک چیز آخری گاہک تک پہنچ جانے سے پیشتر کئی ہاتھوں میں بک جاتی ہے۔جس میں عام طور پر سٹہ کا کاروبار ہوتا ہے۔اس لئے مناسب یہی ہے کہ جمہور فقہاء کا مسلک اختیار کیا جائے اور غیر مقبوض کی بیع سے کلی احتراز کیا جائے۔

وکیل بالشراء کی بیع اور قبض مبیع:

یہاں ایک مسئلہ اور بھی قابل وضاحت ہے اور وہ یہ کہ موجودہ اسلامی بینکاری نظام میں مرابحہ مؤجلہ کا طریقہ کار یہ اختیار کیا جائے کہ بینک کے پاس جب کوئی گاہک آتا ہے۔اور اسے کسی چیز، مثلاً مشینری وغیرہ خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے۔تو عموماً بینک اس کو خود وہ چیز خرید کر نہیں دیتا ہے۔گاہک کو اس کی قیمت کی رقم دے دیتا ہے۔اور وہ جا کر بازار سے خود وہ چیز خرید لیتا ہے۔اور پھر اپنے استعمال میں لاتا ہے۔اس صورت میں وہ گاہک اس چیز کے خریدنے میں بنک کی طرف سے وکیل بالشراء بن جاتا ہے۔اور اس وکالت میں کوئی شرعی محذور نہیں ہے۔
لیکن یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ گاہک جب بازار سے وہ چیز خرید لیتا ہے۔اور پھر اس پر قبضہ کرتا ہے تو اس کا یہ قبضہ، وکالت کی بناء پر بنک کی نیابت میں ہوتا ہے۔اور پھر جب اپنے کام میں استعمال کرتا ہے۔تو اس کا یہ قبضہ اصالتاً ہوگا۔اور اس کی حیثیت مشتری کی ملکیتی قبضہ کی ہوگی۔اس حیثیت سے وہ گاہک وکیل بالشراء پھر وکیل بالبیع اور مشتری ہوگا۔تو آیا ایک فرد بائع اور مشتری دونوں حیثیتوں سے بیع سرانجام دے سکتا ہے۔
اس کا حکم جاننے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا۔کہ وکیل بالشراء کا مبیع پر سابق قبضہ جو بحیثیت وکیل تھا حادث قبضہ جو بصورت مشتری ہوگا کے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ فقہاء کرام نے قبضہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔قبضہ امانت اور قبضہ ضمان پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں۔

ضمان بنفسہ اور ضمان لغیرہ۔ قبضہ میں عموماً سابق حادث قبضہ کیلئے کافی ہوتا ہے۔ اور اگر مبیع پر مشتری کا قبضہ سابق امانت مثلاً وکالت، عاریت اور ودیعت اور اجارہ کا قبضہ کہ یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضے یعنی بیع کیلئے کافی نہ ہوں گے بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہوگی۔ (28)

اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ بینک اس شے کو پہلے اپنے ضمان میں لے یعنی اپنے گودام وغیرہ میں اس کو منتقل کردے پھر گاہک کو فروخت کردے تاکہ تجدید قبضہ کی شرط پوری ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح بھی پائی جاتی ہے۔

"عن ابن عمر قال كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فيبعث علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه فيه الىٰ مكان سواه قبل ان نبيعه"۔ (29)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانے میں گیہوں خریدتے تھے تو آپ ﷺ ہمارے پاس کسی شخص کو بھیجتے جو ہمیں یہ حکم دیتے تھے کہ اس کو آگے بیچنے سے قبل جس جگہ یہ خریدی گئی ہے وہاں سے دوسری جگہ منتقل کردیں۔

اسی شرعی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے جہاں اسلامی نظریاتی کونسل نے اسلامی تمویل (Financing) کے لئے مرابحہ مؤجلہ کو تجویز کیا ہے وہاں اس کو تجدید قبضہ کے ساتھ مشروط بھی کیا ہے چنانچہ کونسل نے رائے دی ہے۔

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ خرید کردہ شئے متعلقہ ادارے کے حوالے کئے جانے سے پہلے بینک کے قبضہ میں آئے۔ تاہم اس شرط کی تکمیل کے لئے یہی کافی ہوگا کہ بینک نے جس ادارے سے مال خریدا ہو وہ اس مال کو بینک کے نام علیحدہ کردے اور پھر اس شخص کو دے جسے بینک نے اس سلسلے میں مجاز ومختار قرار دیا ہو اور اس میں وہ شخص بھی شامل ہوگا جس کے لئے یہ مال خریدا گیا ہو۔ (30)

نیز اس کی ایک بہترین اور آسان راہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بینک اپنے کسی آدمی کو خرید وفروخت دونوں کا وکیل بنا کر گاہک کے ساتھ بازار بھیج دے وہ وکیل سامان خرید کر اس کو دے۔ اس صورت میں نہ سامان کو بینک کے گودام میں لانے کی حاجت ہے اور نہ ہی گاہک کو کسی جدید قبضے کی ضرورت، اسی طرح بینک کے یہ دونوں مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ کہ گاہک من پسند سامان پا کر مطمئن ہو جائے گا اور بینک خرید کرلانے پھر اس کی حفاظت کرنے کی زحمت سے بچ جائے گا اور ساتھ ہی یہ بیع بھی صحیح ودرست ہوگی۔ (واللہ اعلم)

مرابحہ مؤجلہ اور بائی بیک (Buy Back)

"مرابحہ مؤجلہ" کے ضمن میں بینکاری نظام میں ایک خرابی اور پیدا کی گئی ہے جو کہ بائی بیک کے نام سے موسوم ہے۔ مرابحہ مؤجلہ کی صحیح شکل تو یہ ہے کہ جب بینک کے پاس کوئی شخص یا ادارہ آئے اور اسے سامان کی ضرورت ہے تو بینک خود وہ سامان خرید کر پھر اس شخص کو نفع (Mark up) پر ادھار بیچ دے۔ لیکن بینک بہت سارے اخراجات اور محنت سے بچنے کی غرض سے مزید آسانیاں چاہتا ہے اور اسی کے پیش نظر بائی بیک (Buy Back) کی اصطلاح ایجاد کی گئی ہے۔

بائی بیک کا مفہوم:

اس کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بینک کے پاس جب ضرورت مند گاہک آتا ہے۔اور اسے کسی چیز کی خریداری کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو بینک اس کے ساتھ مرابحہ مؤجلہ کا معاہدہ کرتا ہے۔درحقیقت جس سامان یا شے کی خریداری کیلئے ضرورت مند گاہک رقم کا تقاضا کرتا ہے وہ شے اس شخص کے پاس پہلے سے موجود ہوتی ہے۔اور بینک اس سے وہ شے کم قیمت پر خرید کر اس کو زیادہ قیمت پر ادھار بیچ دیتا ہے۔اور اس کو بائی بیک (Buy Back) کہتے ہیں۔

درحقیت اس صورت میں مرابحہ کے بجائے نفع (Mark up) کو بائی بیک کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جو کہ خالص سود کی ایک شکل ہے کیونکہ دراصل بینک نے کچھ خریدا یا بیچا نہیں بلکہ اس ضرورت مند شخص کو ایک رقم دی اور پھر اس سے ایک مدت کے بعد اس رقم کو کچھ زیادتی کے ساتھ واپس لیا جو کہ سودی قرض کی ایک دوسری شکل ہے۔

بائی بیک کے اس طریقہ کار میں دو وجوہات سے شرعی ممانعت موجود ہے۔

1) ایک تو یہ کہ جس شے کو بینک اور گاہک نے مبیع قرار دیا ہے بینک اس کو گاہک سے خرید کر اس پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ یوں ہی رسمی طور پر دوبارہ گاہک پر بیچ دیتا ہے جب کہ گاہک کا سابقہ قبضہ برقرار رہتا ہے۔وہ مشتری کی حیثیت سے اس پر دوبارہ قبضہ نہیں کرتا ہے۔اور یہ صورت غیر مقبوض کی بیع کی ہے اور یہ جائز نہیں جس پر گزشتہ سطور میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

2) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی شرط پائی جارہی ہے۔جو کہ مفسد بیع ہے اس لئے کہ گاہک جو کہ ضرورت مند ہے اور وہ اپنی اس موجود شے کو بینک پر اس لئے بیچتا ہے کہ بینک اس کو دوبارہ اس پر بیچے گا چونکہ یہ شرط "ملائم للبیع"نہیں ہے اور جو شرائط ''ملائم للبیع'' نہ ہوں اور عقد بیع میں ان کو لازمی قرار دیا جائے تو اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

"رجل باع شيئاً على ان يشتريه لنفسه لا يجوز البيع". (31)

کسی شخص نے کوئی چیز اس شرط کے ساتھ بیچ دی کہ وہ اس کو دوبارہ اپنے لئے خریدے گا تو یہ بیع جائز نہ ہوگی۔اس لئے بائی بیک کا مذکورہ طریقہ کار از روئے شریعت درست نہیں ہے۔

فرضی کارروائی:

اس پر ستم یہ کہ بائی بیک کا حیلہ بھی حقیقت میں نہیں ہوتا ہے۔بلکہ بینک اور گاہک کے درمیان عموماً فرضی کارروائی ہوتی ہے ایسا کوئی سامان سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا ہے کہ جس پر بائی بیک کیا جارہا ہو۔حتی کہ اداروں کے ایسے اخراجات جن سے کوئی چیز نہیں خریدی جاتی ہے مثلاً ملازمین کی تنخواہیں، بلوں کی ادائیگی یا قرضوں کی واپسی وغیرہ کیلئے بھی بینکوں سے مرابحۃً قرض مل جاتا ہے۔

ایسی صورت یقیناً ایک بدترین سودی قرض کی شکل ہے خصوصاً جب کہ اس کو مرابحہ کا نام دے کر جواز کو فرض لیا جائے تو اس کی شناعت و

قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہاں بالکل ایسی صورت ہے کہ رقم دے کر اس پر سود لیا جائے۔ اگر چہ اس کا نام مرابحہ کار کھ لیا جائے یا Mark up کا بہر طور یہ حرام رہا ہے۔ اور اس سے بچنا ہر مسلمان کیلئے لازمی ہے۔

آخری گزارش:

میں آخر میں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ علماء اسلام نے مرابحہ مؤجلہ کی گنجائش ایک محدود عبوری دور کیلئے نکال لی تھی جس کا یہ مقصد ہر گز نہ تھا کہ اس کو اصل اصول مان کر بڑے پیمانے پر اس طرح کا بینکاری نظام رائج کیا جائے۔ کیونکہ معاشرے میں دین کے فہم کے فقدان اور خوف آخرت کی کمی اور دیانت داری کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس کو سود کھانے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ اس لئے سودی کاروبار کے اسلامی نعم البدل کے طور پر شرکت و مضاربت کے طریقہ کار کے مطابق بینکاری نظام کو رائج کرنے کی سعی بلیغ کی جائے جو کہ اسلامی عدل و انصاف اور تقسیم دولت کے اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

اقول قولی هٰذا والحمد لله رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین.

حواشی و حوالہ جات

1) اسلامی نظریاتی کونسل، رپورٹ۔ بلاسود بینکاری، اسلام آباد 1988ء ص 24

2) الشامی، محمد امین بن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، مکتبه رشیدیه، کوئٹه. 272/4

3) ایضاً 310/4

4) ایضاً 311/4

5) ایضاً

6) ابن رشد، ابوا لولید المالکی، مقدمات ابن رشد علی المدونة الکبریٰ 3/198-201

7) الخرشی، ابو عبدالله محمد بن عبدالله بن علی، الخرشی علی مختصر سیدی خلیل 105/5, 106

8) ابن قدامه، ابو محمدبن احمد بن محمد، المغنی، مکتبه الجمهوریه العربية، مصر. 195/4

9) مولانا ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ادارة القرآن والسنة، کراچی، 14/170-71

10) الشوکانی، محمد بن علی بن احمد، نیل الأوطار، دارلجیل، بیروت، 172/5

11) المرغینانی، برهان الدین ابوالحسن، الهداية. کتاب الصلح، باب الصلح فی الدین. 250/3

12) قاضی خان فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی، فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية نورانی کتب خانه، پشاور 87/3

13) المرغینانی، الهداية، کتاب البیوع، باب المرابحه 76/3

14) السرخسی، شمس الدین ابوبکر محمد بن ابی سهل، المبسوط دار المعرفه للنشر والطباعة، بیروت الطبعة

الثالثة 80/13

15) محمد تقی عثمانی، مفتی جسٹس، مسئله سود مفتی محمد شفیع ، حصه دوم ، ادارة المعارف ، کراچی 1979، 133 ,134

16) الفتاوی الهندية ، المطبعة الكبرى الاميرية ، بولاق، مصر ، الطبعة الثانية، 136/3

17) الامام الترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی کتب خانه رحیمیه ، دیوبند ا نڈ یا 167/1

18) سبل السلام شرح بلوغ المرام ، دارالفكر ، بيروت 809/3

19) مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم وفاقی وزارت تعلیم اسلام آ باد، 5/2، البخاری محمد بن اسماعيل الجعفی ،وزارت تعلیم ، اسلام آباد 1985، 286/1

20) الامام الشافعی،محمد بن ادریس، کتاب الام ، دارالمعرفة، بیروت،الطبعة ا لثا نية 69/3 ,70

21) النووی شرف الدين، الكامل شرح صحیح المسلم، وفاقی وزارت تعلیم اسلام آباد 5/2ابن قدامه ، المغنی 125/4, 128, 131 کشاف القناع 241/3, 142

22) ابن عبد الاكبر القرطبی ، ابی عمر یوسف بن عبد الله ، كتاب الكافی فی فقه اهل المدينة المالكی ، مكتبة الرياض الحديثة ، رياض، الطبعه الاولیٰ، 1918 705/2 ،الخرشی مالکی 16/5 ,17

23) الكاسانی 306/5

24) مسلم كتاب البيوع ، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض 5/2

25) السنائی ، كتاب البيوع ، باب سلف و بيع 146/2

26) امام محمد بن حسن الشیبانی ، كتاب الاثار ، کتب خانه مجیدیه ، ملتان ، باب التجارة و الشرط البيع 126

27) شیخ ابن همام عبد الواحد ، فتح القدير ، مكتبه نوریه، کوئٹه، 132/6

28) الكاسانی 238/5

29) مسلم 5/2

30) اسلامی نظریاتی کونسل 25

31) فتاویٰ عالمگیری135/3

☆............☆............☆